(غلام گردش)

زینب کو انصاف نہیں دلوا سکتے؟

سات برس کی بچی زینب کے ساتھ زیادتی اور سنگین قتل نے پورے ملک کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ رائے عامہ بھرپور طریقے سے اس مضبوطی سے سامنے آئی ہے، کہ ہر طبقہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے اور اسکا سدِ باب کیسے ہو سکتا ہے۔ ہر سطح سے مذمتی بیانات جاری ہوئے ہیں۔ اس واقعہ پر جتنا بھی افسوس کیا جائے، کم ہے۔ ذاتی طور پر اس سانحہ پر شدید قلق ہے۔ مگر اس پر قطعاً حیرت نہیں ہے۔ وجہ بالکل سادہ سی ہے۔ بچوں کے ساتھ زیادتی کے جرائم تو ملک کے ہر شہر، قصبہ اور گاؤں میں بلا تعطل جاری ہیں۔ جب کسی معصوم فرشتہ کو قتل کر دیا جاتا ہے تو تھوڑی دیر کیلئے کہرام مچتا ہے اور پھر وہی ادنیٰ سی خاموشی۔ زینب کے قتل کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ مگر سوچنے کا مقام یہ ہے کہ کیا یہ سب کچھ پہلی بار ہوا ہے۔ کیا یہ ماضی میں بھرپور طریقے سے نہیں ہوتا رہا۔ کیا یہ آج بھی جاری و ساری نہیں ہے۔ کیا یہ دوبارہ نہیں ہوگا۔ جذباتیت اپنی جگہ، مگر معصوم بچوں کے ساتھ زیادتی ہمیشہ سے ہوتی آئی ہے۔ ہمارے جیسے ممالک میں ہمیشہ ہوتی رہیگی۔ نعرے، مالی امداد، جلسے جلوسوں اور سرِ عام پھانسی کے مطالبات سے کچھ بھی نہیں ہوگا۔ یہ اُبال چند دن کے بعد جھاگ کی طرح بیٹھ جائیگا۔ زندگی اپنے معمول پر آ جائیگی۔ چند ہفتے بعد ایسے لگے گا کہ زینب کے ساتھ زیادتی کا واقعہ کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔ جو ہری سقم صرف ایک ہے۔ ہم سچ کو سچ ماننے والے لوگ نہیں ہیں۔ ہمارے لیے صرف وہی اَمر سچ ہے جسکو ہم حقیقت سمجھنا چاہتے ہیں۔ ہمارے کانوں کو بھلا نہ لگے، وہ مکمل طور پر جھوٹ ہے۔ زینب کے المیہ نے ایک بار پھر تلخ سچ ہمارے سامنے لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ بلکہ منہ پر تھپڑ کی طرح واضح کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں بچوں کے ساتھ "جنسی تعلقات" رکھنے کی بیماری بہت عام ہے۔ یاد رہے کہ یہ ایک ذہنی بیماری ہے۔ اسے "Paedophilia" کہا جاتا ہے۔ میڈیکل کی کتابوں میں اسکی تمام تفاصیل موجود ہیں۔ اس ذہنی کیفیت کے مریض قربت کے تعلقات میں صرف اور صرف بچوں کو ترجیح دیتے ہیں اور وہ بھی کم عمر بچوں یا بچیوں کو۔ زینب اور اس سے پہلے کے سفاک واقعات پر درجنوں نہیں ہزاروں کالم لکھے گئے ہیں۔ شائد لاکھوں ٹی وی پروگرام بھی ہوئے ہیں۔ مگر ایک جگہ بھی کسی نے یہ نہیں فرمایا کہ ہاں، ہمارے ملک میں ایسے لوگ موجود ہیں جو Paedophilia کا شکار ہیں اور یہ ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ ہماری آہ و پکار اپنی جگہ درست ہے۔ مگر جب تک مسئلہ کی تشخیص نہیں ہوگی۔ آہ و زاری اور املاک کو نقصان پہنچانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ مگر یہاں تو کوئی بھی تسلیم نہیں کرتا کہ یہ ذہنی بیماری موجود ہے اور دن بدن اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔

نفسیاتی بیماریوں کے زاویہ سے ہماری حالت انتہائی شرمناک ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ ہمیں معلوم ہی نہیں ہے کہ ملک میں مختلف ذہنی مریضوں کی تعداد کتنی ہے۔ بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نفسیاتی بیماریوں کو چھپایا جاتا ہے۔ اسے ایک عیب سمجھ کر تسلیم ہی نہیں کیا جاتا۔ سندھ کے ایک برگزیدہ سیاستدان کہا کرتے تھے کہ اس سوسائٹی میں واضح اکثریت کسی نہ کسی دماغی الجھن کا شکار ہے۔ تعداد ستر فیصد تک بتاتے تھے۔ سیاستدان ہونے کے علاوہ ایک روحانی شخصیت بھی تھے۔ اسلیے تجزیے کو غیر سنجیدگی سے نہیں لیا جا سکتا۔ جس ملک کو آبادی کا ہی علم نہیں ہے۔ اس میں ذہنی امراض میں مبتلا لوگوں کی صحیح تعداد کو جاننا مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ محتاط اندازے کے مطابق پاکستان میں پانچ

کروڑ لوگ کسی نہ کسی طرح کے نفسیاتی مرض میں مبتلا ہیں۔اصل تعداد اس سے بہت زیادہ ہوسکتی ہے۔نفسیاتی الجھنوں میں بچوں کے ساتھ بدفعلی کرنے کا مرض بھی شامل ہے۔کروڑوں مریضوں کیلئے ذہنی امراض کے ماہر ڈاکٹر کتنے ہونگے۔تعداد جان کر سر پیٹ لینگے۔پورے ملک میں صرف "چار سو"۔تجزیہ کریں تو پچاس لاکھ لوگوں کیلئے صرف ایک ماہر نفسیات موجود ہے۔خوفناک کمی، پیر، فقیر، جادوگر، نجومی اور عامل پوری کرتے ہیں۔انکے پاس جا کر لوگوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے، وہ اپنی جگہ ایک المناک داستان ہے۔مگر یہاں تو ہر چیز ہی دردناک ہے۔کس کس شعبہ کا گریہ کریں اور کس کس نااہلی پر سینہ کوبی کریں۔برطانیہ کے "چینل فور" نے چند برس پہلے پاکستان میں بچوں کے ساتھ جنسی زیادتیوں پر ایک ڈوکومینٹری بنائی تھی۔اسکا انگریزی نام "Pakistan's Hlidden Shame" تھا۔اردو ترجمہ آپ خود کر لیجئے۔تحقیق کے مطابق ملک میں بچوں کے ساتھ زیادتی کا رواج ہر قصبہ اور شہر میں موجود ہے۔پشاور، فاٹا اور قبائلی علاقوں میں تو اسے سند حاصل ہے۔آج سے کچھ عرصہ پہلے سید محمد علی نے اخبار میں اس معاملے پر تجزیہ پیش کیا تھا۔اس کا عنوان تھا "Contending with Paedophilia" انگریزی میں لکھے گئے اس مضمون میں رحیم یار خان کے ایک چودہ سالہ بچے کا بھی ذکر ہے جس سے بدفعلی کی گئی اور بعد میں قتل کر دیا گیا۔مقامی پولیس کو بتایا گیا تو اس نے تفتیش کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ بچے نے خودکشی کی ہے۔سارے سانحے میں اصل ولن یا مجرم وہ معصوم بچہ ہی قرار پایا۔"ساحل" نامی "این جی او" اسی شعبہ پر کام کرتی ہے۔تحقیق کے مطابق ملک میں ہر سال 3500 کے قریب بچوں کے ساتھ زیادتی کے جرائم رپورٹ ہوتے ہیں۔یہ معاملات وہ ہیں جن میں لواحقین ہمت کر کے زیادتی کو بیان کرتے ہیں۔اکثریت اس معاملے میں خاموش رہتی ہے۔اہل خانہ کو اپنی بے عزتی سے ڈر لگتا ہے۔غم اپنے اندر چھپا کر خاموش ہو جاتے ہیں۔اصل واقعات اور تعداد کسی کے علم میں نہیں ہے۔

بگاڑ کی یہ کیفیت قطعاً غیر واضح نہیں ہے۔گھروں میں کام کرنے والے بچے اور بچیاں اس ناانصافی کے خاموش شکار ہیں۔اگر آپ سو گھریلو ملازمین کے طور پر کام کرنے والے بچوں کا علیحدگی میں انٹرویو کریں تو محتاط اندازے کے مطابق تیس سے چالیس فیصد کو جنسی تشدد کا کبھی نہ کبھی نشانہ ضرور بنایا گیا ہوگا۔بے گھر بچے ایک اور طبقہ ہے جو اس ظلم کا آسانی سے شکار ہو جاتے ہیں۔وہ تو کہیں شکایت تک نہیں کر سکتے کہ انکے ساتھ کیا ہوا ہے۔مقدر سمجھ کر خاموش سمجھوتا کر لیتے ہیں۔شاہراؤں پر ٹرکوں کے اڈے معمول کی بات ہیں۔ان مقامات پر بھی بچوں کو قیمت دیکر وقت گزارنے کی قبیح سہولت موجود ہے۔بورڈنگ ہاؤس سکولوں میں یہ معاملہ شدت سے جڑ پکڑ چکا ہے۔مدارس میں بھی یہ معاملہ ہر ایک کے علم میں ہے۔علت شیخ کا ذکر ہر جگہ موجود ہے۔Paedophilia کے مریض کبھی بھی ذہنی مسئلہ کو قبول ہی نہیں کرتے۔لہذا علاج تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔تھوڑی دیر کے لیے تصور کر لیجئے کہ کوئی مریض ڈاکٹر سے علاج کروانا چاہتا بھی ہے تو وہ کہاں جائے۔پورے ملک میں نفسیاتی امراض کے ڈاکٹر صرف اور صرف چار سو ہیں۔نتیجہ یہ کہ اس مرض کا کوئی بھی علاج نہیں ہو رہا۔عملی طور پر معاشرے نے اسے بات کیے بغیر تسلیم کر لیا ہے۔مگر صاحب، ہمیں ہار نہیں ماننی چاہیے۔سوال یہ ہے کہ عملی طور پر کونسے اقدامات اُٹھائے جائیں کہ ہمارے بچے محفوظ ہو جائیں۔

سب سے پہلے تو سکولوں میں بچوں اور بچیوں کو اساتذہ بتائیں، کہ اگر کوئی شخص انکے جسم کے نازک حصوں پر ہاتھ لگاتا ہے تو

فوراً اپنے والدین یا استاد کو بتائیں۔اس میں شرم کی کوئی بات نہیں۔حجاب کی اس جعلی دیوار کو ہم اسکولوں کے کلاس روموں میں توڑ سکتے ہیں جس میں پھول جیسے بچے اپنے ساتھ بدتمیزی اور زیادتی کرنے والے کی شکایت نہیں کر پاتے۔اعلانیہ طور پر اس انفارمیشن کو نصاب کا حصہ بنانے میں بھی کوئی ہرج نہیں۔اگر ہمارے بچے اور بچیوں کو اتنا اعتماد دیا جائے تو وہ کسی ناجائز حرکت کو برداشت نہیں کرینگے۔اس مسئلہ کو بنیاد ہی سے پکڑا جا سکتا ہے۔ہوسکتا ہے کہ چند عناصر تجویز کی مخالفت کریں۔مگر میرا سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے بچوں اور بچیوں کے ساتھ یہ ظلم نہیں ہو رہا۔کیا زینب جیسی بچیوں کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔اگر پرائیویٹ اور سرکاری سکولوں میں ٹیچر تہذیب کے دائرے میں رہ کر بچوں کو اس مسئلہ کے ممکنہ امکانات اور مضمرات سمجھائیں تو ہم بے شمار جانیں بچانے میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔آگے نظر دوڑائیے۔پولیس کے موجودہ نظام میں اتنی سکت، اہلیت نہیں ہے کہ کسی دباؤ کے بغیر تفتیش کر پائے۔لہذا اس ادارے کے متعلق بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔المیہ تو یہ ہے کہ پولیس کا مورال کا جذبہ اس قدر پست کر دیا گیا ہے کہ کسی سنجیدہ تفتیش کی ہمت ہی نہیں کر سکتے۔مگر کوشش کرنا ہمارا فرض ہے۔پولیس کو کسی قسم کے سیاسی دباؤ سے محفوظ کرنا اشد ضروری ہے۔مگر ہمارے ملک میں یہ صرف خواہش کی حد تک ہے۔یا شائد خواب۔ویسے کسی بھی ادارے کو دباؤ سے دور رکھنا شائد موجودہ حالات میں ممکن نہیں۔اگر تفتیش درست نہیں ہوگی، تو عدالتوں سے "جنسی درندے" آرام سے بری ہوتے رہینگے۔اور یہ ہو رہا ہے۔قصور میں سینکڑوں بچوں کی عریاں فلمیں بنانے والے کیا کیفرِ کردار تک پہنچتے ہیں۔قطعاً نہیں۔عدالتی نظام گواہیوں اور شہادتوں کا محتاج ہے۔یہ سب کچھ ایک مستند پیشہ ور فورس ہی کر سکتی ہے جسکا ہمارے پاس کوئی وجود نہیں۔

زینب اور اس جیسی بچیاں اور کم سن بچے ہمارا اپنا خون ہیں۔انکے ساتھ زیادتی، جبر اور ظلم قومی سطح کا جرم ہے۔اسکا مداوا ہونا چاہیے۔ہو بھی سکتا ہے۔مگر کون کریگا۔جذباتی تنقید کچھ عرصے جاری رہیگی۔مربوط نظام کی عدم موجودگی میں ہمارا ردِعمل چند دن کے بعد ختم ہو جائیگا۔معاملہ ٹھنڈا ہو جائیگا یا کر دیا جائیگا۔کسی اور مقام پر اس طرح کا ظلم دوبارہ ہوگا۔دوبارہ بھرپور مذمت کی جائیگی اور چند دن بعد، سب کچھ ویسا ہی چلنا شروع ہو جائیگا، جیسے پہلے تھا۔موجودہ منافقانہ نظام میں تو اس طرح کے معاملات کا کوئی حل نہیں۔بے انصافی کی بنیاد پر کھڑے ہوئے اس نظام میں ہم زینب کو انصاف نہیں دلوا سکتے؟

راؤ منظر حیات